(13)

احباب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ افغانستان کے احمدیوں کے لیے امن کی صورت پیدا فرمائے

میرا تجربہ یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں اسلام کے اثر کے ماتحت خداترسی اور اخلاق کا زیادہ بہتر نمونہ پایا جاتا ہے

(فرمودہ 30مارچ 1956ء بمقام ربوہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میں نے اپنے ایک گزشتہ خطبہ میں جو 25 مارچ کے الفضل میں شائع ہو چکا ہے جنازوں کا اعلان کرتے ہوئے ایک واقعہ کا ذکر کیا تھا۔ جن صاحب سے اِس واقعہ کا تعلق تھا چونکہ انہوں نے اِس کی تردید بھیجی ہے اس لیے میں بھی آج اس کی تردید کر دیتا ہوں۔ میں نے اپنے خطبہ میں صوفی عبدالرحیم صاحب بھیرہ والوں کے متعلق ذکر کیا تھا کہ وہ مولوی نعمت اللہ خان صاحب کی شہادت کے موقع پر کابل میں موجود تھے اور اسی شہادت سے متأثر ہوکر انہوں نے احمدیت قبول کی تھی۔ اب ان کے ایک رشتہ دار شیخ فضل کریم صاحب پراچہ نے لکھا ہے کہ صوفی عبدالرحیم صاحب جو میرے ماموں زاد بھائی تھے انہوں نے

خود اپنی زندگی میں مجھے یہ واقعہ سنایا تھا اور میں نے یہ واقعہ لکھ کر اُسی وقت الفضل میں بھی شائع کرا دیا تھا۔صحیح واقعہ یہ ہے کہ وہ ان دنوں افغانستان میں رہتے تھے اور غیر احمدی تھے۔ جس دن مولوی نعمت اللہ خان صاحب کو شہید کیا گیا اُس دن وہ کہیں باہر گئے ہوئے تھے اور اُس موقع پر موجود نہیں تھے۔اس کے چند ہفتے بعد دو اَور احمدیوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا گیا اور وہ مُلّا عبدالحلیم صاحب اور قاری نورعلی صاحب تھے۔ ان کی شہادت میں صوفی صاحب شامل تھے۔ اُس وقت وہ غیر احمدی تھے اور سمجھتے تھے کہ انہیں پتھر مار کر ہلاک کرنا ثواب کا کام ہے۔اس لیے انہوں نے نہ صرف خود پتھر مارے بلکہ اپنے اُن رشتہ داروں کو جو بھیرہ میں رہتے تھے ثواب میں شریک کرنے کے لیے اُن کی طرف سے بھی پتھر مارے مگر ان دونوں احمدیوں کا ایمان اور ثابت قدمی دیکھ کر وہ بہت متأثر ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ کس طرح پتھر کھانے کے بعد بھی اپنے عقائد کے سچے ہونے کی شہادت دیتے جاتے ہیں۔نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ ہندوستان پہنچے تو انہوں نے بیعت کر لی اور سلسلہ احمدیہ میں شامل ہو گئے۔ یہ واقعہ قریباً بتیس سال پہلے کا ہے جو مجھے زیادہ پرانا ہونے کی وجہ سے اور بیماری کی وجہ سے ٹھیک طور پر یاد نہ رہا اور میں نے خطبہ میں یہ بیان کر دیا کہ صوفی صاحب مولوی نعمت اللہ خان صاحب کی شہادت کے موقع پر کابل میں موجود تھے۔ وہ مولوی صاحب کی شہادت کے موقع پر موجود نہیں تھے۔ بلکہ دوسرے دو احمدیوں کی شہادت کے موقع پر موجود تھے اور انہوں نے اپنے خیال میں ثواب کی غرض سے ان کو سنگسار کرنے میں حصہ لیا تھا۔

جیسا کہ میں پہلے خطبہ میں بیان کر چکا ہوں افغانستان میں ہمارے ایک اَور احمدی دوست بھی شہید کر دیئے گئے ہیں۔ یہ گزشتہ جلسہ سالانہ کے موقع پر ربوہ بھی آئے تھے۔جب لوگوں کو اس بات کا علم ہوا کہ وہ ربوہ گئے تھے تو انہیں پکڑ لیا گیا اور علاقہ کے حاکم سے کہا گیا کہ اسے موت کی سزا دو مگر علاقہ کا حاکم کوئی شریف آدمی تھا اُس کے دل میں رحم تھا۔اُس نے کہا کہ میں اس کے قتل کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ ہمارے ملک میں مذہبی آزادی ہے۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ حاکم علاقہ اسے مارنے کے لیے تیار نہیں تو انہوں نے قیدخانہ پر حملہ کر دیا۔اس کے دروازے توڑ دیئے اور اس احمدی کو قیدخانہ سے نکال کر لے گئے۔ اس کے بعد

ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا وہ گزشتہ جلسہ سالانہ کے موقع پر ربوہ گئے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں میں جلسہ کے موقع پر ربوہ گیا تھا۔ اِس پر انہیں کُھلے میدان میں کھڑا کر کے گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ 13 اَور احمدیوں کے متعلق بھی خبر آئی تھی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ بات درست نہیں۔ ان 13 احمدیوں کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اِس سے پتا لگتا ہے کہ گو وہاں ہماری جماعت کی شدید مخالفت پائی جاتی ہے جس طرح یہاں بھی ہماری مخالفت کی جاتی ہے لیکن پھر بھی مسلمانوں میں کچھ نہ کچھ خداترسی ضرور پائی جاتی ہے۔ چنانچہ گزشتہ فسادات کے دنوں میں مجھے کئی مثالیں ایسی معلوم ہیں کہ جب عوام نے جوش میں آکر احمدیوں کے مکانوں پر حملہ کرنا چاہا تو غیراحمدی عورتیں اُن کے مکانوں کے سامنے لیٹ گئیں اور انہوں نے کہا کہ پہلے ہمیں مار لو، پھر بیشک احمدیوں پر بھی حملہ کر لینا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ شرمندہ ہو کر واپس چلے گئے۔ پس بیشک مسلمانوں کے ایک طبقہ میں ہماری مخالفت پائی جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اسلامی تعلیم کے نتیجہ میں ان میں خداترسی کے نظارے بھی نظر آتے رہتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جب صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کو شہید کیا گیا اور ملک میں احمدیوں کے خلاف جوش پیدا ہو گیا تو کچھ احمدی وہاں سے بھاگ کر ہندوستان آ گئے۔ مجھے یاد ہے جب امان اللہ خان سابق شاہ افغانستان تخت پر بیٹھا تو اُس نے انگریزوں سے لڑائی کی اور اتفاق ایسا ہوا کہ اس لڑائی میں پٹھانوں کا پلّہ بھاری رہا۔ عام طور پر سمجھا جاتا تھا کہ انگریزوں کے مقابلہ میں پٹھانوں کی طاقت کچھ بھی نہیں۔ لیکن میں نے اُن دنوں رؤیا میں دیکھا کہ اگر انگریزوں نے اس محاذِ جنگ پر اپنے چوٹی کے افسر نہ بھیجے تو انہیں شکست ہو گی۔ نادرشاہ جو موجودہ شاہِ افغانستان کے والد تھے وہ افغان فوج کے جرنیل تھے۔ انہیں خدا تعالیٰ نے توفیق دی اور انہوں نے کامیابی کے ساتھ انگریزوں کو پیچھے دھکیلنا شروع کر دیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس لڑائی کے کچھ عرصہ بعد میں شملہ گیا تو وہاں گورنمنٹ آف انڈیا کے ہوم سیکرٹری نے مجھے چائے پر بلایا۔ اُس وقت کے چیف آف دی جنرل سٹاف بھی ان کے ساتھ تھے۔ باتوں باتوں میں مَیں نے انہیں اپنی رؤیا سنائی۔ اِس پر

چیف آف دی جنرل سٹاف بے اختیار بول اُٹھے کہ آپ کی رؤیا بالکل درست ہے اور میں اس کا گواہ ہوں۔ میں اُن دنوں اُس فوج کا کمانڈر تھا جو پٹھانوں سے لڑ رہی تھی۔ایک دن پٹھان فوج ہمیں دھکیل کر اتنا پیچھے لے گئی کہ ہماری شکست میں کوئی شبہ باقی نہ رہا تھا اور ہمیں مرکز کی طرف سے یہ احکام موصول ہو گئے تھے کہ فوجیں واپس لے آؤ۔ چنانچہ ہم نے اپنا سامان ایک حد تک واپس بھی بھیج دیا تھا۔لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ پٹھان فوج کو ہماری فوجی طاقت کے متعلق غلطی لگ گئی اور وہ آگے نہ بڑھی۔ اگر وہ آگے بڑھ آتی تو افغان فوج ڈیرہ اسماعیل خان تک ہمیں دھکیل کر لے آتی اور ہمارے ہاتھ سے پنجاب بھی نکل جاتا۔

اس لڑائی کے بعد افغانستان کا ایک وفد منصوری آیا۔ میں نے اپنا ایک وفد منصوری بھیجا تاکہ وہ افغان نمائندوں سے گفتگو کر سکے۔ انہوں نے ان سے کہا کہ آخر ہمارا کیا قصور ہے کہ آپ کے ملک میں ہمارے آدمی مارے جاتے ہیں۔ نیک محمد خاں صاحب جو غزنی کے گورنر میراحمد خاں صاحب کے بیٹے ہیں اُس وفد کے ایک ممبر تھے جو ہم نے منصوری بھیجا۔افغان وفد میں محمودطرزی صاحب بھی تھے جو امان اللہ خاں کے خُسر تھے اور حکومتِ افغانستان کی طرف سے پیرس میں سفیر بھی رہ چکے تھے اور ایک ہندو وزیر تھے جو اُس وقت حکومتِ افغانستان کے وزیرِ خزانہ تھے۔ ہندو وزیر نے نیک محمد خاں صاحب کو دیکھتے ہی کہا تم تو پٹھان ہو تم یہاں کیسے آئے ہو؟ انہوں نے کہا میں احمدی ہوں۔آپ کے ملک میں امن نہیں تھا اس لیے میں یہاں آ گیا۔ وزیر نے کہا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا میں غزنی کا رہنے والا ہوں اور وہاں کے گورنر میراحمد خاں صاحب کا بیٹا ہوں۔ ہندو وزیر روتے ہوئے نیک محمد خاں صاحب سے بغلگیر ہو گیا اور کہنے لگا تم میراحمد خاں کے بیٹے ہو اور یہاں پھر رہے ہو!! میراحمد خاں تو میرا بھائی تھا۔تمہیں افغانستان میں کون کچھ کہہ سکتا ہے۔تم اپنے وطن میں واپس آ جاؤ۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔محمود طرزی صاحب نے بھی کہا کہ اگر تم افغانستان آ جاؤ تو تم پر کوئی سختی نہیں ہو گی۔ میں خود نگرانی کروں گا۔تم ایک درخواست بھیج دو تو میں تمہاری واپسی کا انتظام کر دوں گا۔ چنانچہ ہم نے مولوی نعمت اللہ خاں صاحب کو جو پہلے سے افغانستان میں موجود تھے محمودطرزی صاحب سے ملنے کے لیے کہا اور انہوں نے

حسبِ وعدہ احمدیوں کی بعض تکالیف کا اِزالہ کر دیا۔ اس موقع پر ہمارے مبلغ نے اپنے آپ کو جس طرح گورنمنٹ کے سامنے ظاہر کر دیا تھا پبلک پر بھی ظاہر کر دیا۔ شروع میں تو امان اللہ خاں نے دلیری دکھائی اور جہاں کہیں احمدیوں پر سختی ہوتی تھی وہ خود فون کے ذریعہ اُسے روکتا اور کہتا کہ ہمارے ملک میں ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔لیکن بعد میں مولویوں سے ڈر گیا اور مولوی نعمت اللہ خاں کو سنگسار کرنے کا حکم جاری کر دیا گیا۔ لیکن خداتعالیٰ نے بھی امان اللہ خاں کو بغیر سزا کے نہ چھوڑا۔ جب نادرشاہ نے برسرِ اقتدار آنا چاہا تو لازماً ہمیں اُس سے ہمدردی تھی مگر نادرشاہ کو فوج نہیں ملتی تھی۔ اُس نے خیال کیا کہ اگر وزیری اُس کے ساتھ مل جائیں تو اُسے فتح کی امید ہوسکتی ہے۔ چنانچہ وہ سرحد پر آیا اور اُس نے وزیریوں کو ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اُس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔وہاں ایک احمدی حکیم تھے جن کا وزیریوں پر اثر تھا۔ انہوں نے نادر شاہ کے حق میں وزیریوں میں پروپیگنڈا کیا۔ چنانچہ آہستہ آہستہ وزیری اس کے ساتھ شامل ہونے لگے اور تھوڑے عرصہ میں ہی ایک بڑا لشکر تیار ہوگیا۔ایک اَور احمدی نوجوان بھی وہاں تھے جو خوست کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے بھی اس کی مدد کی۔ چنانچہ نادرشاہ نے ان دونوں کو محبت کی نگاہ سے دیکھا اور وزیریوں کے اس لشکر کے ذریعہ شاہی فوج کو شکست دی اور افغانستان کے تخت پر قابض ہوگیا۔ فتح کے بعد اُس نے احمدیوں سے کہا کہ تم افغانستان واپس چلو۔ میں تمہیں آزادی دوں گا۔ لیکن جب کچھ مدت تک انتظار کرنے کے باوجود احکام جاری نہ ہوئے تو احمدی دوست نادرشاہ سے ملے اور اُسے اُس کا وعدہ یاد دلایا۔ نادرشاہ نے کہا مجھے اپنا وعدہ خوب یاد ہے لیکن اگر موجودہ مخالفت کے دور میں مَیں نے احکام جاری کر دیئے تو مجھے خوف ہے کہ افغان کہیں مجھے ہی نہ مار ڈالیں۔ آپ کچھ دیر صبر کریں۔ مناسب موقع ملنے پر میں احکام جاری کر دوں گا۔ پھر چند ماہ اَور گزر گئے لیکن پھر بھی حکومت کی طرف سے کوئی احکام جاری نہ ہوئے۔ اِس پر ہمارے احمدی دوست پھر نادرشاہ سے ملے اور کہا کہ اب تو ہم تنگ آ چکے ہیں۔ آخر آپ کب احکام جاری فرمائیں گے؟ کچھ دیر سوچنے کے بعد نادرشاہ نے کہا مجھے ایک ترکیب سُوجھی ہے۔ میں تمہارے خلاف حکومت کے پرانے حکم کی تائید کر دیتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی

میں یہ حکم بھی دے دیتا ہوں کہ اگر کسی نے دوسرے شخص پر کوئی ایسا الزام لگایا جس کی سزا موت ہوئی اور وہ تحقیقات کے بعد جھوٹا ثابت ہوا تو الزام لگانے والے کو بھی موت کی سزا دی جائے گی۔ اُس نے عام لوگوں پر قیاس کرتے ہوئے خیال کیا کہ جب کسی شخص کو یہ پتا لگ جائے گا کہ اب اسے موت کی سزا ملنے والی ہے تو وہ احمدی ہونے سے انکار کر دے گا اور دوسری طرف الزام لگانے والا ڈرے گا کہ اگر تحقیقات پر اُس نے احمدی ہونے سے انکار کر دیا تو مجھے موت کی سزا ملے گی۔ چنانچہ واقع میں ایسا ہی ہوا۔ اِس اعلان کے نتیجہ میں لوگ ڈر گئے کہ اگر ہم کسی کو قادیانی کہیں گے اور وہ موقع پر قادیانی ہونے سے انکار کر دے تو ہمیں موت کی سزا ملے گی۔ اِس کے نتیجہ میں احمدی بے دھڑک وہاں رہنے لگ گئے۔ انہیں کوئی کچھ نہیں کہتا تھا۔ظاہر شاہ کے وقت میں بھی ایسا ہوا کہ اگر کسی والی نے احمدیوں کو پکڑ لیا اور اُن سے رشوت طلب کی تو بادشاہ نے نہ صرف انہیں آزاد کروا دیا بلکہ والی نے اگر کچھ روپیہ لے لیا تھا تو وہ بھی واپس دلوا دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب کچھ اسلام کے اثر کی وجہ سے ہے۔ چاہے ان کے ملک میں کتنی غیر آئینی ہے مگر چونکہ وہ مسلمانوں کی نسل سے ہیں اس لیے ان میں کسی حد تک نیکی کا مادہ موجود ہے۔ اب بھی یہ خبر ملی ہے کہ 13 احمدی جو گرفتار کیے گئے تھے حکومت نے انہیں رہا کر دیا ہے۔ یہ چیز بتاتی ہے کہ چاہے مسلمانوں میں کتنی خرابیاں ہوں اسلامی تعلیم کا ان پر اِس قدر اثر ضرور ہے کہ وہ انہیں نیکی کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے ہم خوشی اور افسوس کے مواقع پر حکومتوں کو تاریں دیتے ہیں تو غیراحمدی اسلامی حکومتیں ہماری تعداد کم ہونے کی وجہ سے ہماری تاروں اور پیغامات کی پروا بھی نہیں کرتیں لیکن اسلامی حکومتیں ان کی قدر کرتی ہیں۔

مجھے یاد ہے ابن سعود کو ایک دفعہ کسی موقع پر تار دی گئی تو انہوں نے فوراً اپنے نام سے جماعت کا شکریہ ادا کیا۔ پھر ایک دفعہ اردن کے شاہ عبداللہ کو میں نے خط لکھا تو انہوں نے اس کے جواب میں اپنے دستخطوں سے ایک مفصّل خط بھجوایا۔ شاہِ ایران کو ایک دفعہ ہمدردی کی تار دی تو انہوں نے حسین اعلیٰ کے ذریعہ جو اُس وقت وزیرِ دربار تھے شکریہ کی تار بھیجی۔ غرض میں نے دیکھا ہے کہ اسلامی حکومتوں میں بہت سے اسلامی اخلاق

ابھی باقی ہیں۔ مثلاً مصر میں ہماری جماعت کے امیر فوت ہوئے تو خود جنرل نجیب اور کرنل ناصر نے ہمدردی کی تاریں اُن کے خاندان کو دیں۔ بلکہ ان میں سے ایک نے دو تاریں دیں۔ ایک تار ان کے اپنے خاندان کے رئیس ہونے کی وجہ سے اور ایک تار ان کے جماعت کے امیر ہونے کی حیثیت سے۔ لیکن یہ باتیں اُن علاقوں میں نہیں پائی جاتیں جو ہندو اثر کے نیچے ہیں۔ مثلاً یہی دیکھ لو جب میں لاہور جاتا ہوں تو وہاں ہماری بڑی جماعت ہے اور اسمبلی کے پچیس تیس ممبر ایسے ہوتے ہیں جو ہمارے ووٹوں سے ممبر بنے ہوتے ہیں لیکن چونکہ وہ ہندو اثر کے نیچے رہے ہیں اس لیے وہ ملنے سے گھبراتے ہیں۔ لیکن جب میں پشاور گیا تو اُس وقت جو پارٹی بھی مجھے دی گئی اُس میں صوبائی وزیراعظم خان عبدالقیوم خاں صاحب اور دو تین اَور وزیر اور جوڈیشل کورٹ کے جج بھی شریک ہوئے۔ اس کے مقابلہ میں لاہور میں بعض چھوٹے چھوٹے رئیس بھی ہماری پارٹیوں میں آنے سے گھبراتے ہیں۔ حالانکہ اُن پر ہمارے احسانات بھی ہوتے ہیں۔ اور اِس کی وجہ یہی ہے کہ لاہور کا علاقہ ہندو اثر کے نیچے رہا ہے اور پشاور اسلامی اثر کے نیچے ہے اس لیے وہاں ابھی تک اسلام کا اثر پایا جاتا ہے۔ افغانستان میں جو 13 احمدیوں کو رہا کیا گیا ہے اِس کو بھی میں اسلام کے اثر کا ہی نتیجہ سمجھتا ہوں بلکہ داؤد جان صاحب کو بھی جو شہید کر دیئے گئے ہیں علاقہ کے گورنر نے بچانے کی پوری کوشش کی لیکن ہجوم نے حملہ کر کے انہیں باہر نکال لیا اور گولی مار کر شہید کر دیا۔ وہاں ہر شخص کے پاس ہتھیار ہوتے ہیں اور جب لوگ جوش میں آ جاتے ہیں تو حاکم بھی ڈر جاتے ہیں۔

بہرحال میرا تجربہ یہی ہے کہ جن ممالک میں اسلامی اثر پایا جاتا ہے وہاں کے رہنے والوں میں زیادہ اچھے اخلاق پائے جاتے ہیں اور ان میں زیادہ تواضع ہوتی ہے اور ان میں زیادہ انکسار پایا جاتا ہے۔ لیکن جن لوگوں پر اسلامی اثر نہیں یا وہ غیر قوموں کے ساتھ رہ رہ کر اپنی اسلامی روایات کو بھول گئے ہیں اُن میں اب اسلام والی باتیں نہیں پائی جاتیں۔ بلکہ ان میں غرور زیادہ پایا جاتا ہے۔ ورنہ اسلام کی برکت سے اسلامی ممالک میں بھی اگرچہ ہماری جماعت کی مخالفت کی جاتی ہے مگر تعلقات کے بارہ میں ان کی حالت دوسروں کی نسبت بہت زیادہ اچھی ہے۔ ابھی پچھلے دنوں مجھے ایران کے ایک مذہبی لیڈر کا خط آیا جس میں اُس نے

لکھا کہ آئیں ہم مل کر اسلام کی خدمت کریں۔ میں نے اُسے یہی لکھا ہے کہ ہم تو اِس کے لیے تیار ہیں مگر تم خود غور کر لو کہیں بعد میں لوگوں کی مخالفت پر پیچھے نہ ہٹ جانا۔ ہمارے ملک میں تو لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ جب مسلم لیگ قائم ہوئی تو اِس کی مالی حالت اتنی کمزور تھی کہ انہیں اپنے جلسے منعقد کرنے کے لیے بھی روپیہ نہیں ملتا تھا اور ہمیشہ میں انہیں مدد دیا کرتا تھا۔ لیکن اب یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ ہمارا مسلم لیگ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہا۔

مجھے لاہور میں ایک دفعہ لکھنؤ کے ایک وکیل ملے۔ انہوں نے کہا کہ میں قریباً 9 سال مولانا محمد علی صاحب کا سیکرٹری رہا ہوں اور مجھے خوب یاد ہے کہ جب کبھی مسلم لیگ کا جلسہ ہوتا تھا آپ کو اُس میں بلایا جاتا تھا اور آپ سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ میں نے کہا کہ دوسرے مسلمان تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارا مسلم لیگ سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ وہ کہنے لگے کہ کوئی شخص جو حالات سے واقف ہو ایسا نہیں کہہ سکتا۔ میں خود مسلم لیگ کے جلسوں میں شریک ہوتا رہا ہوں اور مجھے خوب یاد ہے کہ آپ کو اُن جلسوں میں بلایا جاتا تھا اور جب روپیہ کی وجہ سے جلسہ نہ ہوسکتا تھا تو آپ سے مالی امداد لی جاتی تھی۔ ہم لوگ جو ابھی تک زندہ موجود ہیں اِس بات کے گواہ ہیں۔ میں نے کہا کمرہ میں بیٹھ کر آپ کے گواہی دینے سے کیا بنتا ہے۔ اگر آپ میں جرأت ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ آپ حق بات کہہ رہے ہیں تو اخباروں میں بھی اپنا بیان شائع کروائیں۔

پس حقیقت یہی ہے کہ جن ممالک میں اسلامی اثر پایا جاتا ہے اُن میں ہمیں اخلاق، تواضع اور انکسار نظر آتا ہے اور انہیں خدا تعالیٰ سے بھی محبت ہوتی ہے۔ اِسی طرح سِکھوں میں مَیں نے دیکھا ہے اُن میں بھی خدا تعالیٰ کی محبت پائی جاتی ہے۔ میں نے عام طور پر دیکھا ہے کہ سِکھ ملنے آتے تھے تو وہ ہاتھ جوڑ کر رونے لگ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ دعا کریں ہمیں خدا مل جائے۔ اِسی طرح ہندوؤں میں بھی ایک طبقہ ایسا ہے جس میں خدا تعالیٰ سے ملنے کی تڑپ پائی جاتی ہے۔ بدقسمتی ہماری ہے کہ ہم نے اُن میں تبلیغ بند کر دی ہے اور خدا تعالیٰ کی نعمت کو تالے لگا دیئے ہیں۔ اگر ہم اُنہیں تبلیغ کریں تو وہ ضرور اثر قبول کر لیں۔ مجھے ایک دعوت کے موقع پر کراچی کے انڈین ہائی کمشنر ملے۔ انہوں نے

باتوں باتوں میں بتایا کہ مجھے اسلام کی کتابیں پڑھنے کا بڑا شوق ہے اور آپ کا لٹریچر بھی میں نے پڑھا ہے۔ اِسی طرح تصوف کی طرف مجھے رغبت ہے اور فارسی اور عربی کی قابلیت جس قدر میں پیدا کر سکا ہوں اس کے مطابق تصوف کی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔غرض بڑے بڑے ہندوؤں میں بھی خداتعالیٰ کا خوف پایا جاتا ہے۔ مدراس کے مشہور کانگرسی لیڈر شری راج گوپال اچاریہ کے متعلق میں نے دیکھا ہے کہ اُن میں بھی خداتعالیٰ کا خوف پایا جاتا ہے اور اُن کا دل چاہتا ہے کہ ہندوستان میں عدل و انصاف قائم رہے اور مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ لیکن ہم ان لوگوں تک اسلام کی تعلیم مناسب طریق سے نہیں پہنچاتے۔

بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ حکومتِ افغانستان نے ہمارے 13 احمدیوں کو چھوڑ دیا۔ جو دوست شہید کر دیئے گئے ہیں ان کی شہادت میں بھی گورنمنٹ کا کوئی دخل نہیں۔ لوگ انہیں زبردستی قیدخانہ سے نکال کر لے گئے اور شہید کر دیا۔ بہرحال دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس ملک میں احمدیوں کے لیے امن کی صورت پیدا کرے اور جن لوگوں نے وحشیانہ نمونہ دکھایا ہے اُنہیں ہدایت دے۔ آخر وہ بھی ہمارے بھائی ہیں اور خداتعالیٰ چاہے تو وہ انہیں ہدایت دے سکتا ہے۔ ابوسفیان کو ہی دیکھ لو وہ اسلام کا کتنا مخالف تھا۔ لیکن خداتعالیٰ نے اسے ہدایت دے دی اور اُس نے اسلام کو قبول کر لیا۔ پھر یہ تو پہلے سے مسلمان کہلاتے ہیں اِن کو ہدایت دینا اس کے لیے کونسا مشکل امر ہے۔

پس دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ انہیں احمدیت کے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی وحشت کو دور کرے۔ اِسی طرح حکومتِ افغانستان کے لیے بھی دعائیں کرو۔ آخر اس نے بھی بعض مواقع پر انصاف کا نمونہ دکھایا ہے۔ جب صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید کیے گئے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے کہ امیر حبیب اللہ خاں سے پہلا پتھر چلانے کے لیے کہا گیا۔ اِس پر اُس نے پتھر مارنے سے انکار کر دیا۔ گویا اُس نے آخری وقت تک اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی۔ اِس کے معنے یہ ہیں کہ اُس کے دل میں خداتعالیٰ کا خوف پایا جاتا تھا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں میں خداتعالیٰ کا مزید خوف پیدا ہو

اور پاکستان اور افغانستان کے درمیان جو اختلاف پیدا ہو رہا ہے وہ دور ہو اور دونوں ممالک کے رہنے والے سیاسی اور دینی لحاظ سے بھائی بھائی بن کر رہنے لگ جائیں"۔

(الفضل 14 جون 1956ء)